بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فکر ونظر

اِکیسویں صدی میں اُمتِ مسلمہ کو درپیش چیلنج

اکیسویں صدی کے آغاز میں امتِ مسلمہ مختلف النوع مسائل کا شکار ہے۔ مسلمان دانشوروں پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ نہ صرف ان مسائل کا معروضی اور حقیقت پسندانہ جائزہ لیں، بلکہ نشاۃِ ثانیہ کی جدوجہد میں امتِ مسلمہ کو درپیش چیلنجز کا سامنا کرنے کے لئے مؤثر عقلی، فکری اور عملی قیادت کا اہم فریضہ بھی انجام دیں......ملتِ اسلامیہ کو اس وقت جن چیلنجز کا سامنا ہے، ان میں سے نمایاں ترین کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱) دوسری جنگ عظیم کے بعد بیشتر مسلمان ملکوں کو یورپ کی سیاسی استعماریت سے تو آزادی ملی، مگر اس سیاسی غلامی سے نجات پانے کے باوجود وہ ابھی تک مغرب کی فکری محکومی کا طوق اُتار پھینکنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یورپی استعمار نے جاتے جاتے ایک بات کو یقینی بنایا کہ آزاد کردہ مسلمان ملکوں میں اقتدار اس طبقہ کے حوالے کر گئے جو مغربی تہذیب کے پروردہ اور پرستار تھے۔ انہوں نے ان ملکوں میں قرآن وسنت کے نفاذ کی بجائے نوآبادیاتی قوانین کو جاری رکھا۔ وہ جس نظامِ تعلیم کی خود پیداوار تھے، اُسی کو انہوں نے جوں کا توں برقرار رکھتے ہوئے مسلمانوں کی نئی نسل کی ذہن سازی مغربی سانچوں کے مطابق کی۔ ان مسلم ممالک کا برسرِ اقتدار طبقہ اگرچہ نسلی طور پر تو مسلمان ہی تھا، مگر ان کی فکر سیکولر (لادینی) تھی۔

وہ اسلامی نظام کو ایک ایسا 'دقیانوسی' نظام سمجھتے ہیں، جو عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا نہیں کرسکتا۔ لہٰذا انہوں نے بھرپور کوشش کی کہ مسلمان اسلام سے دور رہیں۔ یورپ کی بھونڈی نقالی کو یہ طبقہ 'ماڈرن ازم' (جدیدیت پسندی) کا نام دیتا ہے۔ چونکہ یہ طبقہ مقامی تہذیب وتمدن کے بارے میں احساسِ کمتری کا شکار ہے، اسی لئے مغربی تہذیب کی اندھی تقلید ہی ان کے نزدیک ترقی پسندی اور روشن خیالی کی دلیل ہے۔ مغربی دانشوروں نے بھی مغرب کی ثقافتی استعماریت (کلچرل امپریلزم) کو مسلط کرنے کے لئے مسلمان ممالک میں برسراقتدار طبقہ کو اپنے مؤثر ہتھیار بلکہ ایجنٹ کے طور پر استعمال کیا۔ مسلمان حکمرانوں کے تہذیبِ مغرب سے اس والہانہ شغف نے نئی نسلوں کا رابطہ مسلمانوں کے شاندار ماضی سے منقطع کردیا۔ جس کے نتیجے میں مغرب کی بھونڈی نقالی کو ہی انہوں نے اپنا مقصود بنا لیا۔ آج صورتحال یہ ہے کہ مسلمان ملکوں کے بڑے بڑے شہر اسلامی ثقافت کی بجائے مغربی ثقافت کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ مسلمان ممالک کے تعلیمی اِداروں کا ماحول، وہاں کے طلبہ کی تراش خراش اور بودوباش دیکھ کر یہی احساس ہوتا ہے کہ یہ کسی یورپی تعلیمی ادارے کے طلبا ہیں۔ مغرب کی ثقافتی استعماریت اور عقلی نوآبادیت سے چھٹکارا حاصل کرنا ایک بہت بڑا چیلنج ہے جو مسلم اُمہ کو درپیش ہے۔

(۲) عصر حاضر میں مادّیت اور روحانیت کے درمیان توازن برقرار رکھنا ایک عظیم چیلنج ہے جس کا جرأت مندانہ مقابلہ ضروری ہے۔ مسلمان ممالک میں ایک منصوبہ بندی کے ساتھ یہ سوچ پھیلائی جارہی ہے کہ اگر

مادّی ترقی کا حصول مقصود ہے تو وہ سیکولر معاشرے کے قیام کے بغیر ممکن نہیں۔ ان کے خیال میں مذہب ہمیشہ رِجعت پسندی کو پروان چڑھاتا ہے۔ سیکولر دانشور الہامی تعلیمات کی بجائے عقل کو ہی انسانی ترقی کے لئے قابل اعتماد ذریعہ ہدایت سمجھتے ہیں۔ چونکہ یورپ نے صنعتی ترقی میں جوکمال حاصل کیا ہے، اس کی سراسر بنیاد سیکولرازم اور مادہ پرستی ہے، لہٰذا یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ دنیاوی ومادّی ترقی کے لئے یورپی ماڈل کے علاوہ کوئی دوسرا ماڈل قابل عمل نہیں ہے۔ یورپ کے بارے میں تو شاید یہ تجزیہ درست ہو، مگر اسلامی معاشرے کے بارے میں اس طرح کی مطلق رائے کا اظہار اسلامی تاریخ کے بارے میں صریحاً عدمِ واقفیت ہی کہا جاسکتا ہے۔

یورپ میں جس وقت کلیسا کی حکومت تھی، تہذیب وتمدن کے اعتبار سے یورپ وحشی اَقوام کا ہی مسکن تھا۔ مگر مسلمانوں نے جس دور میں سائنسی ترقی اور تہذیبی ترفع کی شاندار مثالیں قائم کیں، اس وقت مسلمانوں کی اسلام سے وابستگی بھی نہایت گہری تھی۔ عالم اسلام کے مشہور تہذیبی مراکز دمشق، بغداد، قرطبہ، اصفہان، بصرہ، غرناطہ، اشبیلہ، فاس، قاہرہ وغیرہ جس زمانے میں مادّی ترقی کے اعتبار سے پورے عالم میں معروف تھے، اسی زمانے میں یہ شہر قرآن وسنت اور مذہبی تعلیمات کے عظیم مراکز بھی تھے۔ جس دور میں ابن سینا، ابن حیان، الخوارزمی، ابن یعقوبی، ابن طفیل، ابن رشد، محمد بن زکریا رازی، الہیثم، ابن بیطار، یعقوب بن اسحاق جیسے عظیم سائنسدان اور مسلم فلسفی پیدا ہوئے، اسی دور میں امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام بخاری، امام مسلم، علامہ ابن حزم، علامہ طبری، علامہ ابن اثیر، علامہ ابن تیمیہ، حافظ ابن حجر، امام فخر الدین رازی، شمس الائمہ سرخسی، ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے نابغہ عصر ائمہ، محدثین وفقہاء نے بھی عالم اسلام کو اپنے علمی کارناموں سے منور کیا۔ یورپ کے سائنس دانوں نے عقلی انکشافات اور حواسی اکتشافات کے زیر اثر نہ صرف مذہبی تعلیمات سے اعلانِ بریت کیا، بلکہ وجودِ باری تعالیٰ سے انکار جیسے ملحدانہ افکار کا پرچار بھی کیا، مگر مسلمان سائنس دانوں نے سائنسی انکشافات وایجادات کو خالق کائنات کے عظیم رازوں کی دریافت قرار دیتے ہوئے 'حق الیقین' کے ساتھ ساتھ 'عین الیقین' کا ذریعہ سمجھا۔

جدید مغرب کے سائنسی علوم میں ملحدانہ فکر کے جراثیم پائے جاتے ہیں، مثلاً ڈارون نے نوعِ انسانی کے اِرتقا کی جو منزلیں بیان کی ہیں، دین وایمان کا نقصان کئے بغیر ان کی صداقت پر 'ایمان' لانا ممکن نہیں ہے۔ مغربی سائنس کے اس خطرناک پہلو کی وجہ سے ہی بعض علماء جدید سائنسی علوم کی تحصیل کے بارے میں ذہنی تحفظات اور خدشات کا شکار بھی ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ چونکہ یورپی معاشرے میں سائنسی ترقی کے ساتھ ساتھ مذہب سے دوری کے جو نتائج دیکھ چکے ہیں، اسی لئے ان کے خدشات کچھ بے جا بھی نہیں ہیں۔ دوسری طرف سیکولر طبقہ، علما کے ان خدشات کو ان کی سائنس دشمنی سے تعبیر کرتا ہے اور انہیں امت ِمسلمہ کے زوال وپسماندگی کا سبب بتاتا ہے۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم معاشروں میں ایسی علمی اقدار کو فروغ دیا جائے جو مادّی ترقی کے ساتھ ساتھ روحانی ترفع پر بھی منتج ہوں۔ یہ ایک بہت بڑا چیلنج ہے جس کا مقابلہ کوئی ایک ملک نہیں بلکہ پوری امت ِمسلمہ اجتماعی جدوجہد کے ساتھ ہی کرسکتی ہے۔

(۳) غربت وجہالت ایک دوسرے کے حق میں علت ومعلول (Cause and Effect) کا درجہ رکھتی ہیں۔ ترقی پذیر ممالک کے متعلق ایک دانشور کا قول ہے:

"They are poor, because they are poor."

یعنی ''چونکہ وہ غریب ہیں، اسی لئے وہ غریب ہیں''

اس مکتبہ فکر کے دانشوروں کا خیال ہے کہ غربت ایک منحوس چکر ہے۔ اس میں ایک دفعہ کوئی پھنس جائے تو پھر خود بخود اس سے نکلنا محال ہوتا ہے۔ اسی فلسفہ کی بنیاد پر یہ دانشور ترقی پذیر ممالک کے لئے غیر ملکی اِمداد کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں ترقی پذیر ممالک میں پائی جانے والی جہالت کی بنیادی وجہ بھی وہاں غربت کا پایا جانا ہے۔ مگر ان کے برعکس دانشوروں کا ایک گروہ یہ خیال رکھتا ہے کہ علمی پسماندگی (جہالت) معاشی پسماندگی کا باعث بنتی ہے۔ مؤخر الذکر گروہ کے خیالات حقیقت سے زیادہ قریب ہیں۔ یورپ نے گذشتہ تین سو سالوں میں جو ترقی کی ہے، اس کی وجہ علمی ترقی ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی نے انہیں دولت مند وخوشحال بنا دیا ہے۔

ایک سروے کے مطابق ۵۴ مسلمان ملکوں کی سالانہ خام قومی پیداوار (GDP) کا تخمینہ ۲۴۰۰/ارب ڈالر ہے۔ اس میں ملائیشیا، انڈونیشیا کے علاوہ تیل پیدا کرنے والے مسلمان ممالک بھی شامل ہیں۔ مگر یورپ کے صرف ایک ملک فرانس کی سالانہ خام قومی پیداوار ۲۸۰۰/ارب ڈالر کے لگ بھگ ہے۔ جاپان کی GDP کا اندازہ ۵۴۰۰/ارب ڈالر ہے۔ اس سروے میں امریکہ کے متعلق اَعداد وشمار نہیں تھے لیکن اندازہ ہے کہ اس کی خام قومی پیداوار ۹۰۰۰/ارب ڈالر کے برابر ہے (روزنامہ ڈان)۔ پاکستان کا سالانہ بجٹ ۶۴۰/ارب روپے ہے۔ اس سرمائے سے پاکستان ایک بھی طیارہ بردار سمندری جہاز (بحری بیڑہ) نہیں خرید سکتا، جو امریکہ کے پاس سینکڑوں کی تعداد میں ہیں۔ ایک ایف ۱۶ لڑاکا جہاز کی قیمت ۵۰ کروڑ روپے سے زیادہ ہے۔ پاکستان جیسے زرعی ملک کپاس کی لاکھوں گانٹھیں بیچ کر بھی ایک ایف ۱۶ بڑی مشکل سے خرید کرسکتے ہیں۔ صنعتی اشیا اور زرعی اشیا میں اس عظیم فرق کی وجہ سے ترقی یافتہ ممالک ترقی پذیر ممالک کو بنی بنائی اشیا فروخت تو کرنا چاہتے ہیں، مگر انہیں ٹیکنالوجی منتقل کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ ٹیکنالوجی کی یہ برتری ہی دراصل مغربی ممالک کی پورے عالم کی قیادت کرنے کا اصل راز ہے۔ مسلمان ممالک میں سائنسی تحقیق کا معیار بے حد پست ہے۔ تیل پیدا کرنے والے مسلمان ممالک تیل کی کھربوں ڈالر کی آمدنی کو مغربی ممالک سے اشیا درآمد کرنے میں صرف کردیتے ہیں۔ دولت کی ریل پیل نے انہیں تحقیق سے بے خبر و بے پروا کر رکھا ہے۔ انہوں نے سائنسی تحقیق کے لئے تجربہ گاہوں کا نیٹ ورک قائم کرنے میں کسی قسم کی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ اگر خدانخواستہ کچھ عرصہ کے بعد ان ممالک سے تیل نکلنا بند ہوجائے، تو ان کے لئے موجودہ ترقی کی سطح کو برقرار رکھنا بھی مشکل ہوگا۔ عرب ممالک جس قدر سرمایہ یورپی ممالک سے اشیا کی درآمد پر خرچ کرتے ہیں، اس کا عشرعشیر بھی تحقیق پر خرچ کریں یا اس کا ایک معمولی حصہ بھی غریب مسلمان مملکوں کی مالی اِمداد کے طور پر مختص کردیں تو نہ صرف عالم اسلام سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں یورپ سے آنکھ ملا سکتا ہے، بلکہ عالم اسلام کے بعض خطہ جات میں بدترین غربت اور معاشی مسائل میں بھی قدرے کمی لائی جاسکتی ہے۔ ٹیکنالوجی کے میدان میں خود کفالت بھی ایک زبردست چیلنج ہے جو امتِ مسلمہ کو درپیش ہے۔

(۴) اتحادِ ملتِ اسلامیہ ایک دیرینہ خواب ہے جو عرصۂ دراز سے شرمندۂ تعبیر نہیں ہوا۔ خلافت عثمانیہ

جب تک قائم رہی، پورے عالم اسلام کی نگاہیں اس پر جمی رہیں۔ عالمی استعمار کی سازشوں سے جب ۱۹۲۴ء میں خلافت کا خاتمہ کیا گیا تو ساتھ ہی ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ بھی منتشر ہوگیا۔ اہل مغرب ترکی کو 'یورپ کا مردِ بیمار' تو کہتے تھے مگر یہ ان کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا بھی تھا۔ لارنس آف عریبیہ کے ذریعے انگریزوں نے خطہ عرب میں نیشنلزم کا ایسا فسوں پھونکا کہ لسانی و علاقائی تعصبات پیدا ہوئے۔ شریف حسین آف مکہ جیسے نادان مسلمان ترکوں سے 'آزادی' حاصل کرنے کے لئے پنجہ یہود کی گرفت میں آگئے۔ ادھر اتاترک جیسے ملحد، اسلام دشمن، مغرب زدہ جرنیل نے خلافتِ عثمانیہ پر اِلحاد کا ایسا کلہاڑا چلایا کہ خلافت کا خاتمہ کرکے رکھ دیا جس سے مسلمانوں کی مرکزیت ریزہ ریزہ ہوگئی۔ آج صورت یہ ہے کہ مسلمان ملکوں میں زیادہ تر وہ لوگ اقتدار پر قابض ہیں جن کی رگوں میں اسلام کی بجائے اتاترک ازم کا خون جوش مار رہا ہے۔ ترکی کی ملحد فوجی جنتا کا تو ذکر کیا کیجئے، صدام حسین، بشیر الاسد، یمن کے حکمران، مصر کے حسنی مبارک، اُردن کے شاہ عبداللہ، مراکش کے شاہ محمد خامس، لیبیا کے قذافی، انڈونیشیا و ملائیشیا کے حکمران وغیرہ سیکولر نظریات کے حامل ہیں۔ پاکستان میں بھی صدر ضیاء الحق کے علاوہ کسی حکمران نے بھی اسلام سے وابستگی کا کھلم کھلا اظہار کبھی نہ کیا۔ آزادی حاصل کرنے کے بعد مسلمان ممالک پر سیکولر اور اشتراکی حکمرانوں کا قبضہ ہوگیا۔ ان حکمرانوں کی اکثریت اپنے اقتدار کو دوام دینے میں زیادہ دلچسپی رکھتی ہے۔ بلکہ یہ 'اتحادِ اُمہ' کے تصور سے ہی بیزار ہیں۔ ان میں سے بعض نے اپنا قبلہ 'ماسکو' کو بنائے رکھا، تو کچھ 'واشنگٹن' کو اپنا قبلہ سمجھتے ہیں، بعض 'لندن' اور 'پیرس' میں جبین نیاز جھکانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ایسے عالم میں اتحادِ ملتِ اسلامیہ کا پرچم کون اٹھائے......؟؟

اہل مغرب جمہوریت کے بہت راگ الاپتے ہیں مگر جن ممالک میں اسلام پسند انتخاب کے ذریعہ اقتدار میں آسکتے ہوں وہاں ان کی جمہوریت پسندی قائم نہیں رہتی۔ الجزائر میں مغربی ممالک نے اسلامک فرنٹ کو انتخابات میں واضح کامیابی کے باوجود اقتدار پر قابض نہیں ہونے دیا۔ عالم اسلام میں جب بھی کوئی راہنما اسلام کی بات کرتا ہے، مغربی ابلاغ اسے 'بنیاد پرست' قرار دے کر اس کی مذمت کی مہم برپا کردیتے ہیں۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ اتحادِ امت کا مسلمان حکمرانوں میں اس قدر احساس بھی نہیں ہے، جو آج سے تیس سال پہلے تھا۔ آج پوری اسلامی دنیا میں ایک بھی شاہ فیصلؒ جیسا راہنما نہیں ہے جو سنجیدگی سے اُمت میں اتحاد پیدا کرنے کی کاوش کرے۔

مغربی استعمار نے شروع سے ہی منصوبہ بندی کی کہ امتِ مسلمہ میں اتحاد نہ ہونے پائے۔ یہاں ایک چشم کشا واقعہ کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ جنگِ عظیم اوّل میں جب ترکوں کو شکست ہوئی تو فرانس میں ورسلیز کے مقام پر ترکی کے حصے بخرے کرنے کے لئے یورپی قائدین جمع ہوئے۔ اس اجلاس میں شریف حسین آف مکہ کا بیٹا فیصل بھی شریک ہوا، جو بعد میں عراق کا بادشاہ بنا۔ شریف حسین آف مکہ کو یہ پریشانی تھی کہ انہوں نے ترکوں کے خلاف انگریزوں کا ساتھ دیا تھا مگر وہ انہیں اقتدار دینے میں ہچکچا رہے تھے۔ بہرحال جب کافی بحث و تمحیص کے بعد شریف حسین آف مکہ کو حجاز و عراق میں حکومت منتقل کرنے کے معاہدے پر دستخط کئے جانے لگے تو اس معاہدہ کی ایک شق یہ بھی تھی کہ شریف حسین آف مکہ کی اولاد میں سے صرف وہ شہزادے عراق، اُردن وغیرہ

میں حکمران بن سکیں گے جن کی تعلیم وتربیت انگلستان کے رائل تعلیمی اداروں میں ہوئی ہوگی۔ یہ بات برطانوی وزیراعظم چرچل نے اپنی سوانح عمری میں لکھی ہے۔ اس وقت چرچل انگلینڈ کا وزیرداخلہ تھا۔ بظاہر یہ ایک معمولی سی شرط لگتی ہے، مگر گہرائی میں جاکر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انگریز عالم اسلام میں اپنے جانشینوں کے بارے میں کتنی طویل منصوبہ بندی کرچکے تھے۔ آج عالمی اسلامی قیادت کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ شعوری یا لاشعوری طور پر انگریزوں کی سازش کو یونہی عملی جامہ پہناتے رہیں گے یا پھر ملت ِاسلامیہ کے اتحاد پر غوروفکر کرتے ہوئے کوئی مناسب لائحہ عمل تیار کریں گے۔

(۵) گلوبلائزیشن (گلوبیت) ایک نیا فریب اور دام ہے جس میں دیگر ترقی پذیر ممالک کے ساتھ عالم اسلام کو کسا جارہا ہے۔ اہل مغرب عالمی بستی کا نعرہ لگا رہے ہیں، امت ِمسلمہ کے فریب خوردہ دانشور بھی اس عالمی بستی کے گن گا رہے ہیں۔ مگر انہیں یہ ضرور سوچنا چاہئے کہ اس 'عالمی بستی' میں امریکہ اور یورپی ممالک اپنے آپ کو ظالم جاگیردار کے مرتبہ پر فائز سمجھتے ہیں۔ وہ مادّی ترقی کے بعد سیاسی وتہذیبی رعونت میں مبتلا ہیں۔ ان کے خیال میں عالمی بستی کے دیگر مکینوں کا یہ فرض ہے کہ وہ ان کی ثقافت اور اَقدار کو اپنائیں۔ اس عالمی بستی میں غیر یورپی اُقوام کے تہذیب وتمدن یا انفرادی سطح پر ثقافتی تشخص کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن کے ذریعے عالمی تجارت کے وہی اُصول وضع کئے جارہے ہیں جو یورپی ممالک کے مفاد میں ہیں۔ ان اصولوں کو تسلیم کرلینے کے بعد اسلامی ممالک کی رہی سہی برآمدات کا بھی بیڑہ غرق ہوجائے گا۔ ابھی تک جو شرائط سامنے آئی ہیں، اس کی رو سے امریکہ ویورپ تو اپنا سازوسامان بغیر کسی رکاوٹ کے ترقی پذیر ممالک میں بھجوا سکیں گے مگر ترقی پذیر ممالک کی مصنوعات کو ISO 9000 کے معیارات پر جانچے بغیر یورپ وامریکہ انہیں قبول نہیں کریں گے۔ گویا گلوبیت ایک فریب ہے جس کے پردے میں مغرب نے ترقی پذیر ممالک کے استحصال کی نئی شکلیں دریافت کرلی ہیں۔ یورپ وامریکہ کے اس دامِ فریب سے بچ نکلنا بھی ایک چیلنج ہے جس کا سامنا عالم اسلام کو کرنا ہے۔

(۶) ۱۹۹۹ء میں ایک کتاب منظر عام پر آئی تھی جس کا عنوان ہے: "The debt trap" یعنی 'قرض کا پھندا'...... پاکستان جیسے غریب مسلمان ممالک اس قرض کے پھندے میں بری طرح جکڑے ہوئے ہیں، آئی ایم ایف اور عالمی بنک کے قرضوں پر اُٹھنے والی سود کی رقم پاکستان کے بجٹ کا تقریباً ۱/۳ حصہ ہے۔ قرضوں کے عظیم بوجھ تلے دبے رہنے کی وجہ سے مسلمان ممالک میں ترقیاتی فنڈز نہ ہونے کے برابر بچتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی عالمی سودی بینکاری نظام کی جکڑ بندیوں سے آزاد ہوکر غیرسودی بینکاری نظام کا قیام ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔ جب تک مسلمان ممالک اس استحصالی سودی نظام سے نجات نہیں پائیں گے، ان کے اندر معاشی استحکام پیدا نہیں ہوسکتا۔ اس وقت سعودی عرب، ملائیشیا، مراکش وغیرہ میں غیرسودی بنیادوں پر کئی بینک او رمالیاتی ادارے کام کررہے ہیں۔ حتیٰ کہ سوئٹزرلینڈ، انگلینڈ، ناروے وغیرہ میں بھی کئی یورپی بینکوں نے عرب سرمایہ داروں کو اپنی طرف مبذول کرنے کے لئے غیرسودی بینکاری کو متعارف کرایا ہے۔ مذکورہ مالیاتی اداروں میں مروّج غیرسودی بینکاری کی شرعی حیثیت کے بارے میں تو معروضات پیش کی جاسکتی ہیں، البتہ اس سے یہ

ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی بینکاری کی ضرورت کا احساس پایا جاتا ہے۔ ابھی حال ہی میں پاکستان کی سپریم کورٹ کے شریعت اپلیٹ بنچ نے پاکستان میں ہر طرح کی سودی بینکاری کو حرام قرار دیتے ہوئے حکومت کو حکم دیا ہے کہ وہ جون ۲۰۰۱ء تک اپنے تمام اداروں میں غیر سودی بینکاری کو رائج کرنے کے اِقدامات کرے۔ حکومت پاکستان نے اس ضمن میں ایک کمیشن بھی قائم کردیا ہے جو غیر سودی نظام کے نفاذ کے لئے قابل عمل سفارشات مرتب کرنے میں مصروف ہے۔ ملت ِاسلامیہ کے ماہرین معاشیات کے لئے بہرحال یہ ایک چیلنج ہے کہ وہ دورِ حاضر میں بلاسود بینکاری کے نظریہ کو عملی جامہ کیسے پہناتے ہیں۔

(۷) دورِ حاضر میں پیغام رسانی اور فکری انقلاب پیدا کرنے میں ذرائع اَبلاغ اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ مغرب کے پاس اپنی ثقافتی استعماریت اور تہذیبی یلغار برپا کرنے کے لئے موٴثر ترین ہتھیار مغربی ذرائع اَبلاغ ہیں۔ یہی ذرائع اَبلاغ پوری دنیا میں تہذیب ِمغرب کو فروغ دینے میں موٴثر کردار ادا کر رہے ہیں۔ عالم اسلام میں فکری انتشار کو ہوا دی جارہی ہے، عالمی ذرائع اَبلاغ مسلمانوں کو پسماندہ، جاہل اور تنگ نظر بنا کر پیش کررہے ہیں۔ مسلمان مجاہدین کو دہشت گرد بنا کر پیش کیا جارہا ہے، مگر عالم اسلام کے پاس مغرب کی طرف سے وارد کردہ اس یکطرفہ نفسیاتی سرد جنگ کا کوئی توڑ نہیں ہے۔ مسلمان ممالک عرصہٴ دراز سے اپنا آزادانہ ابلاغی نیٹ ورک قائم کرنے کا سوچ رہے ہیں، مگر اس پرعمل درآمد نہیں ہوسکا۔ آج سے تقریباً تیس برس قبل ”مڈل ایسٹ نیوز ایجنسی“ (MENA) کے نام سے مصر میں ایک ادارہ قائم کیا گیا تھا، جو تادیر نہ چل سکا۔ دورِ حاضر میں سیٹلائٹ ٹیکنالوجی میں اتنی ترقی ہوچکی ہے کہ اس طرح کا ادارہ قائم کرنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ اسلامی فکر کو عالمی سطح پر رواج دینے کے لئے اس طرح کے اسلامی ادارے کی اَشد ضرورت ہے۔

اس وقت مسلم ممالک کے ذرائع اِبلاغ بھی مغربی ذرائع ابلاغ پر بری طرح انحصار کرنے پر مجبور ہیں۔ ہمارے اخبارات عالم اسلام کے بارے میں جو خبریں شائع کرتے ہیں، اس کا ذریعہ مغربی ذرائع ابلاغ ہوتے ہیں۔ مغربی ذرائع ابلاغ پر چونکہ یہودیوں کا قبضہ ہے، اس لئے وہ مسلمانوں کے خلاف توڑ موڑ کر خبریں شائع کرتے ہیں۔ آج کل فلسطین اور اسرائیل کے درمیان محاذ آرائی کی نئی صورت سامنے آئی ہے۔ اس میں مغربی ذرائع ابلاغ فلسطینیوں کی طرف سے کی گئی معمولی مزاحمت کو بڑھا چڑھا کر دکھاتے ہیں۔ اگر ایک یہودی مرجائے تو طوفان سر پر اٹھا دیتے ہیں، مگر سینکڑوں فلسطینی شہید ہورہے ہیں تو ان کا یا تو تذکرہ ہی گول کردیا جاتا ہے یا پھر سرسری ذکر کیا جاتا ہے۔ ان حالات میں عالم اسلام کے لئے ایک ابلاغی نیٹ ورک کا قیام انتہائی ضروری ہے۔

(۸) امت ِمسلمہ اس وقت مختلف مسالک و فرقہ جات میں منقسم ہے۔ فرقہ واریت کے جنونِ نے پاکستان سمیت کئی اسلامی ممالک میں نہایت افسوسناک صورتحال کو جنم دیا ہے۔ فرقہ وارانہ تعصب نے جہاں اُمت کے اتحاد کو پارہ پارہ کیا ہے، وہاں قرآن وسنت کی روشنی میں عصر حاضر میں اجتہاد جیسے اہم فریضہ سے بھی مسلمانوں کو غافل کردیا ہے۔

(۹) عصر حاضر میں قرآن وسنت کی روشنی میں جدید پیش آمدہ مسائل کے متعلق اجتہاد کرنا بھی ایک

بہت بڑا علمی چیلنج ہے۔ اس وقت اُمت متجدد اور دین پسند طبقات میں بٹی معلوم ہوتی ہے۔ جدید طبقہ قرآن وسنت کی تعلیمات سے آگاہ نہیں ہے اور دینی مدارس سے فارغ التحصیل علماء دورِ حاضر کے سیاسی و معاشی اِداروں کی تنظیم واصول سے واقفیت نہیں رکھتے۔ معلومات کی اس خلیج نے اجتہاد کے کام کو اور مشکل بنا دیا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ دینی و دنیاوی تعلیم دینے والے اداروں میں ایسا متوازن نصاب متعارف کرایا جائے جو اس کمی کو دور کرنے میں مددومعاون ثابت ہو۔ فقہی آراء وتشریحات کے متعلق صحیح طرزِ فکر رواج دینے کے لئے ضروری ہے کہ اُمت کے مختلف فرقوں میں تواتر سے تبادلہ خیال اور مکالمہ کی صورتیں پیدا کی جائیں۔

(۱۰) کشمیر، بوسنیا، فلسطین، فلپائن، چیچنیا وغیرہ میں مسلمانوں کو وحشیانہ بربریت کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ امت ِمسلمہ ان علاقوں کے مظلوم مسلمانوں کی اب تک عملی امداد سے قاصر رہی ہے۔ عالمی سطح کے ان مسائل کے متعلق واضح حکمت ِعملی اپنانا اور مظلوم مسلمانوں کی عملی امداد کے لئے پروگرام مرتب کرنا بھی ایک بہت بڑا چیلنج ہے۔

مؤرخہ ۳/نومبر سے ۵/نومبر ۲۰۰۰ء کے دوران ایوانِ اقبال، لاہور میں 'بین الاقوامی اسلامی کانفرنس' منعقد کی جارہی ہے جسمیں تقریباً ۴۰/ممالک سے عالم اسلام کے رہنما شریک ہورہے ہیں۔ امام کعبہ سماحۃ الشیخ محمد بن عبداللہ السبیل، مسجد نبوی کے امام جسٹس حسین بن عبدالعزیز آل الشیخ، بوسنیا کے صدر عالیجاہ عزت بیگوویچ، شارجہ کے سلطان محمد القاسمی، سعودی عرب کے وزیر عدل عالی مرتبت شیخ ڈاکٹر عبداللہ بن ابراہیم آل الشیخ، اہم علمی وسیاسی شخصیت ڈاکٹر صالح غانم سدلان، ایوانِ شاہی کویت سے ڈاکٹر خالد مذکور، اُردن سے شیخ البانی کے علمی جانشین شیخ علی حسن حلبی، مختلف اسلامی ممالک کے وزراءِ عدل وانصاف، امریکہ ویورپ میں مقیم معروف اسلامی دانشور، پاکستان کے ممتاز اہل فکر ونظر اور تحقیقی اداروں کے ذمہ داران اس تین روزہ کانفرنس میں شرکت کررہے ہیں۔ جبکہ صدر مملکت، گورنر سندھ اور گورنر پنجاب، چیف جسٹس آف پاکستان کے علاوہ متعدد اسلامی ممالک کے وزراءِ عدل وقانون وغیرہ حضرات کانفرنس کے مختلف اجلاسوں کی صدارت کریں گے۔

مجلس التحقيق الاسلامي کے شعبۂ رابطہ فلاح فاؤنڈیشن پاکستان کے زیر اہتمام منعقد کی جانے والی اس کانفرنس کا مرکزی موضوع ''نئے ہزاریے میں امت ِمسلمہ کو درپیش چیلنج'' ہے۔

اس کانفرنس کے انتظامات میں سپریم کورٹ کے جسٹس (ر) خلیل الرحمن خاں جو کانفرنس کی آرگنائزنگ کمیٹی کے صدر بھی ہیں، فلاح فاؤنڈیشن کے مینیجنگ ڈائریکٹر حافظ عبدالرحمن مدنی اور بیت الحکمت کے ڈائریکٹر پروفیسر عبدالجبار شاکر وغیرہ، فلاح فاؤنڈیشن کے ذمہ داران اور دیگر بہت سے معاونین علماء اور دانشور ان دنوں سرگرمی سے مصروف ہیں۔

چند دن بعد منعقد ہونے والی اس کانفرنس سے جہاں بہت سی اہم شخصیات خطاب کررہی ہیں وہاں اہل پاکستان اور امت کے سرکردہ افراد کو اس سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں کہ یہ فاضل مدبر شخصیات بہت سے ایسے بنیادی اُمور کی نشاندہی کریں گے جس سے آئندہ ہزاریے میں اُمت کے لئے کھویا ہوا وقار حاصل کرنا ممکن ہوسکے اور درپیش مسائل کے حل کے لئے کوئی مؤثر حکمت ِعملی اور لائحہ عمل مرتب کیا جاسکے۔ (محمد عطاء اللہ صدیقی)